

محمد عطاء اللہ خان\*

## قومی بیداری میں اقبال اور نذر الاسلام کا کردار

**Abstract:** Allama Iqbal and Qazi Nazrul Islam were contemporary poet and writer, during the last period of British Rule in the Subcontinent. Their messages played a significant role in awakening and getting freedom. Allama Iqbal gave his messages in Urdu/Persian and Qazi Nazrul Islam in Bengali. The Muslims of the British India mostly speak Urdu and Bengla languages. Persian was the vastly spoken language and source of knowledge in the south and central Asia. In this Article the role of Allama Iqbal and Nazrul Islam has been discussed.

Moreover, contemporary ideologies of politics, social and economical aspect of human lives are also highlighted. At that time secular ideologies ie, capitalism and communism were the prevalent ideologies governing the whole world. Though Muslims were the one fifth of the world population, but they were the subject of western powers and their ideologies. Allama Iqbal and Nazrul Islam advocated that Islam is the best ideology to practice, even in these days of modernism and scientific reign. They foresee that Islam will be the supreme ideology of the future.

کلیدی الفاظ: دورِ حاضر، نظریہٴ حیات، مغربی تہذیب، جدید ثقافت، سائنس، علمی بیداری، اشتراکیت،

سرمایہ داری، اسلام، برطانوی دور۔

---

\* سابق پروفیسر، مکان نمبر ۱۳۶، سٹریٹ ۴۰ سیکلر جی سکس ون، اسلام آباد

بیسویں صدی جن انقلابات کی صدی ہے، اس کی مثال تاریخ انسانی میں نہیں ملتی ہے۔ روایات اس طرح بدل کر رکھ دیں گئیں کہ ان کے آثار تک ماضی کے دھند لکوں میں چلے گئے۔ ہر آئین، ہر دستور، ہر روایت اور ہر علم زیرِ زبر ہو کر ایک نئی صورت میں ڈھل گیا۔ کل کے جادو آج کے معمول کی بات ہو گئے ہیں۔ آواز، ہوا، بجلی اور نظر نہ آنے والی بہت سی قوتیں، انسان کی مٹھی میں آچکی ہیں اور ان پر اسے مکمل دسترس حاصل ہے۔ آج انسان انہیں اپنی مرضی سے استعمال کر رہا ہے۔ دورِ بین اتنی طاقت ور ہو چکی ہے کہ اربوں نوری سال کی دوری پر واقع کہکشائیں سامنے نظر آتی ہیں، خوردبین سے اربوں گنی چھوٹی اشیاء نظروں میں آجاتی ہیں۔ انسانی مشاہدات کی دُنیا اب صرف آنکھوں تک محدود نہ رہی، آج ہم مقداری پیمائش سے وہ چیزیں بھی دیکھ سکتے ہیں، جو صرف جن و ملائک دیکھ سکتے تھے۔ انسان پرندوں کی طرح فضا میں اڑ رہا ہے۔ ستاروں سے آگے جانے کی کوشش میں لگا ہوا ہے۔ اپنے جسم کے اندر موجود ننھے ننھے خلیات کا مشاہدہ اور برقی لہروں سے جراحی کر سکتا ہے۔

علامہ اقبال نے اس دور میں آنکھیں کھولیں، اسے دیکھا اور پرکھا اور اس پر کھل کر اپنا نقطہ نظر پیش کیا۔ ان کے زمانے میں انسان کی اس حیران کن دور کی ابتدا تھی، اس کے آگے جو کچھ ہونا تھا، اسے علامہ دیکھ رہے تھے اور برجستہ کہتے ہیں:

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں  
موجِ حیرت ہوں کہ دُنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

(بانگِ درا، شمع اور شاعر، ص: ۲۲۲)

علامہ اقبال اور قاضی نذر الاسلام دونوں برطانوی عہدِ غلامی میں پیدا ہوئے اور اسی دورِ غلامی میں دُنیا سے چل بسے۔ تاہم نذر الاسلام اگرچہ ۱۹۷۲ء تک باحیات رہے مگر ۱۹۳۲ء میں ان کی تخلیقی صلاحیت ختم ہو چکی تھی۔ ان دونوں نے برصغیر کے مسلمانوں کے دلوں میں ایک ایسا ولولہ تازہ پیدا کیا کہ انہوں نے اپنی آزادی کی منزل حاصل کر لی۔ برصغیر میں تین بڑی زبانیں اُردو، ہندی اور بنگلہ ہیں، اُردو اور ہندی ایک ہی زبان ہے۔ فرق ان میں یہ ہے کہ ہندی میں علمی الفاظ اور محاورات سنسکرت سے ماخوذ ہیں اور اُردو میں عربی و فارسی سے لیے گئے ہیں۔ مسلمانوں کی اکثریت اُردو زبان استعمال کرتی ہے اور ہندومت کے پیروکار ہندی بولتے ہیں۔ ہر صورت، عام لوگ

اردو زبان ہی بولتے ہیں اور یہ رابطے کی زبان ہے۔ برصغیر کے مشرقی علاقوں کی اکثریت بنگلہ زبان بولتی ہے، جن میں زیادہ تر مسلمان ہیں لیکن اس کا علمی ذخیرہ الفاظ اور ضرب الامثال و محاورات سنسکرت اور ہندومت کے ہیں۔ قاضی نذر الاسلام نے اس رجحان میں تبدیلی پیدا کر کے عربی، فارسی کے الفاظ بنگلہ زبان میں داخل کیے اور اس میں مسلم روایات، مسلم شخصیات اور مسلم طرز حیات کا اضافہ بھی کیا۔

اردو زبان کے سب سے بڑے شاعر علامہ اقبال ہیں اور بنگلہ کے عظیم شاعر قاضی نذر الاسلام ہیں۔ ان دونوں عظیم شاعروں کے کلام نے مسلمانوں کو بیدار کر کے ان کے دلوں میں آزادی کی تڑپ پیدا کی۔ یہ دونوں برطانوی استعماری سرمایہ دارانہ نظام، مسلم معاشرے کی زبوں حالی اور انگریزوں کی غلامی سے دل برداشتہ تھے۔ یہ دونوں مسلم نشاۃ ثانیہ کے علم بردار بھی تھے۔ ان دونوں نے جدید مغربی افکار و تہذیب پر بر ملا تنقید کی۔ مغرب کے اخلاقی و معاشرتی رویوں سے اختلاف کیا اور مسلم اخلاق و کردار کی حمایت کی۔

قاضی نذر الاسلام اور علامہ اقبال کے عہد میں ساری دنیا دو معاشی و معاشرتی نظریات میں بٹ گئی تھی۔ ایک سرمایہ داری اور دوسری اشتراکیت۔ جس وقت سرمایہ دارانہ نظام زندگی اپنے شباب پر تھا اور اس دور میں اشتراکیت نے جنم لیا اور دیکھتے ہی دیکھتے آدھی دنیا پر اپنا سکہ بٹھایا۔ روس اور چین نے مکمل طور پر اشتراکیت کو اپنالیا۔ ان کے علاوہ بھی دنیا کے بہت سے چھوٹے چھوٹے ممالک اشتراکیت کے زیر اثر آ گئے۔ مغربی دنیا جن میں امریکا اور مغربی یورپ کے ممالک شامل تھے، وہ سرمایہ داریت کے حامی تھے اور ان کی حمایت بیشتر وہ ممالک کر رہے تھے، جنہوں نے مغربی استعماری قوتوں سے نئی نئی آزادی حاصل کی تھی اور یہ سب سرمایہ داری علم کو سر بلند رکھنا چاہتے تھے۔ یوں دنیا ان دو نظام ہائے زندگی میں بٹ گئی۔ ان کے درمیان بقا کی کشمکش شروع ہو گئی، تاہم ان میں کوئی بڑی جنگ نہیں ہوئی لیکن ان کے درمیان معمولی جھڑپوں کے ساتھ ساتھ سرد جنگ ہوتی رہی اور یہ صورت حال بیسویں صدی کے اختتام تک جاری رہی۔

جب روس نے ۱۹۷۹ء میں افغانستان کی سر زمین میں داخل ہو کر اپنا نظام قائم کرنے کی کوشش کی تو سرمایہ دار قوتوں نے مداخلت شروع کی اور مسلم قوتوں کو آگے بڑھا کر اس کا مقابلہ کیا اور خود پیچھے رہے، جس کے نتیجے میں اشتراکی روس کو پسپا ہونا پڑا اور یوں اشتراکیت کی پیش قدمی رُک گئی۔ اس کے بعد ایک نیا عالمی نظام پیدا ہوا

اور امریکا واحد عالمی قوت کے طور پر نمودار ہوا۔ اکیسویں صدی میں ایک نئی صورتِ حال پیدا ہوئی جس کا ذکر آگے چل کر کریں گے۔

اقبال اور نذر الاسلام کا زمانہ ان دو نظریات کی کشمکش کے عروج کا تھا اور ان دونوں نظریات سے علمی دُنیا میں ایک شدید بے چینی پیدا ہو گئی تھی، ہر طرف ایک بیچانی کیفیت طاری تھی، مباحثات و مذاکرات کا بہت زور تھا، سرمایہ دارانہ نظام نے اپنے زمانے کے مروجہ مذاہب کو اپنا ہم نوا بنا لیا تھا اور وہ سب ان کے زیر اثر آچکے تھے مگر جو لوگ اسلام کی مبادیات سے واقف تھے، وہ ان دونوں نظاموں کے نہ صرف ناقد تھے بلکہ اسلام کو ان دونوں سے بہتر سمجھتے تھے۔ اسلام کی اساسی تعلیمات، خصوصاً قرآنِ کریم اور سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بنیاد پر، مسلم علما مذکورہ دونوں نظاموں کے مقابلے میں، دینِ اسلام کو فوقیت دیتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ دورِ حاضر کی تمام تر ترقی، خواہ علمی ہو یا مادی، اسلام اس کا ساتھ دینے کی پوری صلاحیت رکھتا ہے بلکہ اس سے بہتر لائحہ عمل پیش کرتا ہے، جب کہ سرمایہ دارانہ نظام کے سامنے دوسرے تمام مذاہب ہتھیار ڈال چکے تھے۔

علامہ اقبالؒ کے آخری مجموعہ ”کلام“ ”ارمغانِ حجاز“ میں ایک معرکہ آرا نظم ”ابلیس کی مجلس شوریٰ“ ہے۔<sup>(۱)</sup> اس نظم میں علامہ نے ابلیس اور اس کے مشیروں کی زبان میں اپنے عہد کے تمام نظریات پر تبصرہ کیا ہے۔ اس طویل نظم میں ابلیس اور اس کے مشیروں نے جدید مغربی معاشرہ، اس کی مبادیات، اخلاقی کردار، معاشی نظام اور علمی و فکری عقائد پر اظہارِ رائے کیا ہے۔ جو لوگ الہامی ادیان پر یقین رکھتے ہیں، اُن کی نظر میں ابلیس شیاطین کا وہ کردار ہے، جس نے عہد کر رکھا ہے کہ وہ ابنِ آدم کو راہِ راست سے بھٹکا تا رہے گا۔ وہ انسان کے تصورات، عقائد اور نظریات کو اپنے منفی باطنی اثرات کے ذریعے گمراہ کرتا رہتا ہے۔

علامہ محمد اقبال اس نظم میں ابلیس کی زبان میں کہتے ہیں کہ دورِ حاضر کے فتنہ پرور نظریات سے وہ مطمئن نہیں ہے اور اپنے مشیروں کا اجلاس بلا کر ان سے مشورہ کرتا ہے اور اس کے مشیر ملوکیت، سرمایہ داری، آزاد خیالی، جمہوریت، جہاد، صوفی و ملا، غلامی، اشتراکیت، مزدوروں کے مسائل اور اسی نوعیت کے موضوعات پر تبادلہٴ خیال کرتے ہیں۔ تاہم اس کا تیسرا مشیر اشتراکیت کو ابلیسی نظام کے لیے سب سے بڑا خطرہ سمجھتا ہے<sup>(۲)</sup> تو ابلیس اس کے بارے میں کہتا ہے:

دستِ فطرت نے کیا ہے جن گریبانوں کو چاک  
 مزد کی منطق کی سوزن سے نہیں ہوتے رفو  
 کب ڈرا سکتے ہیں مجھے کو اشتراکی کوچہ گرد  
 یہ پریشاں روزگار، آشفتنہ مغز، آشفتنہ مو  
 ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اُس اُمت سے ہے  
 جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرابِ آرزو  
 جانتا ہے، جس پہ روشن باطنِ ایام ہے  
 مزدکیتِ فتنہ فردا نہیں، اسلام ہے! (۳)

قاضی نذر الاسلام کی شاعری پر اک نظر ڈالی جائے تو یہ صاف دکھائی دیتا ہے کہ وہ بھی اسلام کی حقانیت کے قائل ہیں۔ اگرچہ وہ ترقی پسند تھے اور ترقی پسندوں کے بارے میں عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ اشتراکیت کو بطور نظریہ حیات سمجھتے ہیں اور اسلام کو ماضی کا دین تصور کرتے ہیں مگر نذر الاسلام دین اسلام کو دورِ حاضر اور مستقبل کا قابلِ عمل نظامِ زندگی سمجھتے تھے۔ انھوں نے اپنی بہت سی نظموں میں اسلام سے وابستگی کا اظہار کیا ہے۔ اپنی ایک نظم "صورِ اسرافیل" (۴) کی ایک نظم "مسلمان" میں کہتے ہیں:

مرامع بود ہے اللہ

مجھ کو خوفِ باطل کیا،

محمد مصطفیٰ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نورِ ہدیٰ ہے،

ہیں رہنما میرا،

مراسلمان ہے قرآن،

مجھے کیا دہر کی پروا،

کہ دین اسلام ہے میرا،

مسلمان نام ہے میرا (۵)

اکیسویں صدی میں اگرچہ پورا عالم اسلام آزاد تو ہو گیا مگر مغربی اقوام نے جن گماشتوں کے ذریعے اپنے مٹھی بھر افراد کے ساتھ حکومت کی تھی، ان کو ہی اقتدار کی ڈوری تھما کر چلے گئے اور آزاد فضا میں گھٹن کا احساس زندہ رہا ہے۔ یہاں تک کہ ان کے چلے جانے کے بعد بھی ان کی زبانیں یہاں رائج رہیں اور آج بھی چند ممالک ایسے ہیں، جن میں ان کی زبانیں اور ان کے قوانین نافذ ہیں۔ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے، وہ کسی قدر مسلم معاشرے میں موجود بھی ہے مگر وہ اپنی اساس سے دُور ہے۔ اسلامی نظریہ حیات کی طرف سفر کی کاوشیں جاری ہیں مگر اس میں سب سے بڑی رکاوٹ مغربی فائق قوتیں ہیں۔ اقبال اور نذر الاسلام دونوں اسلام کے بنیادی اصولوں کے قائل تھے اور انھوں نے اپنے پیغام کے ذریعے مسلمانوں کو بیدار کیا۔

جس زمانے میں علامہ اقبال اور نذر الاسلام نے آنکھیں کھولیں۔ اس میں مغربی سامراج پوری طرح قابض تھا۔ اس پُر آشوب دور میں، اقبال اور نذر الاسلام، علم و آگہی کے روشن چراغ لے کر آگے بڑھے اور برصغیر کے ظلمت کدے کو منور کر دیا۔ ان دونوں نے سامراج اور سرمایہ داری کے خلاف بھرپور اور پُر اثر آواز بلند کی۔ مسلمانوں کو محکومی اور ذہنی غلامی سے نکالنے کے لیے اپنی پوری زندگی وقف کر دی۔ ڈاکٹر سید اختر حسین رائے پوری کی مندرجہ ذیل رائے کی روشنی میں اصل موضوع پر روشنی ڈالتا ہوں:

"یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ ہند جدید کے دو بڑے مفکر شاعر، علامہ اقبال اور نذر الاسلام مسلمان تھے۔ گو وہ دورِ جتانوں کے پیشوا تھے لیکن انھیں وہ بے چینی متحرک کر رہی تھی، جو مسلمانوں کے جمود کو دیکھ کر ہر ذی حس میں پیدا ہوتی ہے۔ یہ دونوں رجحان کی دو سمتوں کی طرف اشارہ کر رہے تھے۔ ایک پیچھے کی طرف بلا رہا تھا اور دوسرا آگے کی طرف بلاتا تھا لیکن دونوں حرکت و عمل کی دعوت دیتے تھے اور سرمایہ داری اور سامراج کے دونوں مخالف تھے۔ ہندوستانی شاعری کو ان دونوں کی بڑی دین بھی تھی کہ اس میں انھوں نے زندگی کے مقاصد کو بیان کرنے کی صلاحیت پیدا کی"۔<sup>(۹)</sup>

سید اختر حسین رائے پوری ترقی پسند اور اشتراکیت نواز ادیب و نقاد تھے۔ وہ ترقی پسند نقادوں میں ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ ان کی مذکورہ رائے بہت حد تک درست ہے، تاہم ان کی یہ رائے غور طلب ہے کہ "ایک پیچھے

کی طرف بلا رہا تھا اور دوسرا آگے کی طرف بلا رہا تھا۔ "حالاں کہ دونوں قوم کو آگے کی طرف لے کے آئے۔ ان کی رائے میں "پیچھے" سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ ان کا اشارہ علامہ اقبال کی طرف ہے۔ علامہ کے کلام کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ وہ دیکھ رہے تھے کہ اسلام مستقبل کا غالب نظریہ حیات ہوگا، تاہم ترقی پسند اور اشتراکی نظریات کے حامی، اسلام کو ماضی کا مذہب تصور کر رہے تھے اور سمجھ رہے تھے کہ اشتراکیت مستقبل کا غالب نظریہ حیات ہوگا۔ آئیے آج کے حالات میں دیکھتے ہیں کہ آگے کی طرف کون دیکھ رہا تھا؟ علامہ اقبال اشتراکیت کے مخالف نہیں تھے، بلکہ بہت حد تک اس تحریک کی حمایت کر رہے تھے مگر وہ دیکھ رہے تھے کہ موجودہ سرمایہ دارانہ نظام کو اشتراکیت سے کوئی خطرہ نہیں ہے کیونکہ دونوں مادہ پرست ہیں۔ دونوں میں روحانی قدروں کا فقدان ہے، اس لیے سرمایہ دارانہ نظام کو اصل خطرہ اسلام سے ہے۔ کیوں کہ اشتراکیت کا نظریہ صرف مادی ضرورتوں کا حل پیش کرتا ہے جب کہ انسان کی زندگی مادہ اور روح دونوں کا مرکب ہے۔ اسے مادی ضرورتوں کے ساتھ ساتھ روحانی اور ذوقی تسکین بھی چاہیے اور اس کا حل صرف اسلام کے ہی پاس ہے، جو انسان کی جسمانی و مادی احتیاجات کی تکمیل کے ساتھ ساتھ روحانی اور ذوقی تسکین بھی فراہم کرتا ہے۔ اس سے قبل ہم ابلیس کی زبان میں علامہ کا نظریہ پیش کر چکے ہیں کہ اشتراکیت سے سرمایہ دارانہ نظام کو کوئی خطرہ نہیں بلکہ اسے اصل خطرہ اسلام سے ہے۔

آج کے ترقی یافتہ دور کو سمجھنے کے لیے ہمیں یورپ کے انقلابات کی تاریخ پر ایک نظر ڈالنا ہوگی۔ صلیبی جنگوں سے واپسی پر یورپی اقوام اپنے ساتھ مشرق وسطیٰ سے وہ علمی جواہرات لیتی گئیں جو اسلام نے مشرق وسطیٰ کے معاشرے کو بخشے تھے۔ علم و فن کے جواہرات کے ان نئے ذرات نے چند ہی صدیوں میں وہ یورپ کی سر زمین میں جوہری توانائیاں پیدا کیں کہ سارا یورپ دل کش علم و تحقیق کی توانائیوں میں تبدیل ہو گیا، جس کے زیر اثر وہاں علم کی وہ قندیلیں منور ہو گئیں، جن کی روشنی عیسائیت اور یہودیت کا سرمایہ دارانہ و جاگیر دارانہ نظام برداشت نہیں کر سکا، جس کا اثر یہ ہوا کہ علم و مذہب کے درمیان ایک زبردست کشمکش شروع ہو گئی، جس کے نتیجے میں مذہب کو چرچ تک محدود کر دیا گیا اور چرچ کے باہر کی زندگی کے نظام کو از سر نو عقل، تحقیق اور تجربات کی روشنی میں مرتب کیا گیا، یہ سیکولر نظام کہلاتا ہے۔ اس سیکولر نظام کے بطن سے جمہوریت، سائنس، صنعت و حرفت اور آزادی افکار کے انقلابات رونما ہوئے۔ دراصل یہ سارے انقلابات عیسائیت اور یہودیت کے باطل جاگیر دارانہ نظام کے رد عمل میں پیدا ہوئے اور اس کا اثر یہ ہوا کہ وہاں کے اہل علم و دانش نے نہ صرف اپنے مذاہب کا انکار کیا بلکہ وہ خدا کے

وجود سے بھی منکر ہو گئے۔ دراصل یہ انقلابات ان مذاہب کے خلاف تھے جو یورپ میں رائج تھے۔ ان کا اسلام سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اسلام تو مشرق وسطیٰ، ایشیا اور افریقہ میں تھا۔ اس کے علاوہ مسلمان بھی اپنے اصل مرکز سے بھٹک کر ملوکیت کے زیر اثر فروعات و روایات کے شکنجے میں اسیر ہو چکے تھے اور مغربی مفکرین اس بگڑی ہوئی صورت کو اسلام تصور کر رہے تھے اور کم فہم مسلم معاشرہ بھی موجودہ صورت حال کو اسلام ہی سمجھ رہا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے تو اپنے معاشرے کو علم و دانش، ایثار، عدل، اخلاص، مساوات، شوراہیت اور رواداری کے جوہر سے آراستہ کیا تھا، جس کو ملوکیت اور استعماری قوتوں نے اپنے تسلط کے دور میں مسخ کر کے اصل دین سے ہٹا کر فروعات و رسومات کے تابع کر دیا ہے۔ علامہ اقبال اور نذر الاسلام دونوں اصل دین سے آشنا تھے۔ وہ عربی اور فارسی زبانوں سے واقف تھے، جو دین اسلام کی بنیاد ہیں۔ وہ رائج مذاہب اور اصل دین کی پہچان رکھتے تھے۔ علامہ اقبال اور نذر الاسلام دونوں اسلامی نظریہ حیات کو پسند کرتے تھے۔ علامہ اقبال کے نظریات کا تو سب کو پتا ہے کہ وہ اسلام کے داعی تھے۔ قاضی نذر الاسلام بھی اسلام کو دین برحق سمجھتے تھے اور اس کا اظہار انہوں نے اپنی نظموں میں کھل کر کیا ہے۔ عزیز احمد جلیلی نے قاضی نذر الاسلام کی نظموں کا ترجمہ اردو میں کیا ہے۔ اس مجموعے کے حرف آغاز میں عزیز احمد جلیلی، نذر الاسلام کے عقائد اور دینی رجحانات کے بارے میں لکھتے ہیں:

"عم پارہ: (قرآن کا تیسواں پارہ) کا منظوم ترجمہ قرآن کی ابتدا کی تھی اور آخری

موضوع جس پر ان کا قلم چل رہا تھا، وہ آنحضرتؐ کی سیرت ہے، جس کی صرف

تمہید اور ابتدائی حصے لکھ سکے۔" (۷)

عزیز احمد جلیلی کی مذکورہ عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ نذر الاسلام اپنی تخلیقی عمر کے آخری زمانے تک اسلام کو ایک مکمل نظریہ حیات سمجھتے رہے۔ نذر الاسلام دراصل انقلابی ذہن کے مالک تھے۔ ان کی شاعری دوسرے شاعروں سے مختلف ہے۔ وہ سامراج کے خلاف تو تھے ہی، اس کے علاوہ معاشرتی نا انصافیوں کے بھی خلاف تھے۔ فکر کے لحاظ سے انقلابی اور نئی تحریکوں کے علم بردار تھے۔ اشتراکیت چوں کہ سرمایہ داری کے خلاف ایک منظم تحریک تھی اور انقلاب آفریں تھی، اس لیے علامہ اقبال اور قاضی نذر الاسلام، دونوں کا ذہنی رجحان اشتراکیت کے سماجی انصاف اور معاشی مساوات کی طرف تھا، تاہم یہ دونوں اسلام کو برتر اور حتمی نظام حیات سمجھتے تھے۔

کارل مارکس نے مزدوروں اور کسانوں کی زندگی بدلنے کے لیے ”سرمایہ“ کے عنوان سے جو کتاب لکھی تھی اور روس نے جس طرح اپنے معاشرے پر اس کا اطلاق کیا تھا، اس سے دنیا بھر کے وہ لوگ متاثر ہو رہے تھے، جو معاشی اور سماجی نا انصافیوں کے خلاف تھے۔ نذر الاسلام بھی اسی سبب سے اس سے متاثر تھے۔ ان کی نظم ”اشتراکی“<sup>(۸)</sup> جو عزیز احمد جلیلی کے مترجم مجموعے میں شامل ہے، اس کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ نذر الاسلام اشتراکی نظام کو کوئی نیا پیغام نہیں سمجھ رہے تھے۔ اس نظم میں انھوں نے یہ تاثر قائم کیا ہے کہ اشتراکیت کا پیام وہی ہے، جو نیبوں نے پیش کیا ہے۔ یہ حضرت عیسیٰؑ، حضرت موسیٰؑ، گوتم اور دیگر پیغمبروں کی آواز ہے۔ انھوں نے اس نظم میں اشتراکیت کے لیے کعبہ، قبلہ، کلیسا اور کاشی کے استعارے استعمال کیے ہیں اور وہ یہ تاثر پیش کرتے ہیں کہ مذہب کی اصل روح اس میں جھلکتی ہے۔ ان کے آخری چند اشعار برجستہ یہ کہہ رہے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام بھی پیار اور امن و امان کا تھا۔

حرم کے دل میں بیٹھ کے محمد ﷺ نے  
 جہاں کو پیار کے، امن و اماں کے درس دیے  
 ہے کس فریب میں مبتلا ہم دم  
 اگر تو جاننا چاہے تو یہ کہوں ہم دم  
 نہیں ہے بڑھ کے کوئی سجدہ گاہ اس دل سے  
 جہاں مجھ کو نظر آئیں گے طور کے جلوے

مذکورہ مجموعے کی نظم ”مناجات“ میں نذر الاسلام کہتے ہیں:

پھر اسے دُنیا میں حاصل ہو شرف  
 سر بلند اسلام کا ہو ہر طرف  
 چار سو عالم میں پھر ڈنکا بجے  
 نذر کی ہے یہ دعا جی جان سے

بہر حال علامہ اقبال اور نذر الاسلام دونوں ہی اشتراکی انقلاب سے متاثر تھے اور کسی قدر اس کی حمایت بھی کر رہے تھے، تاہم ان میں قدرے فرق بھی ہے۔ قاضی نذر الاسلام اشتراکی انقلاب کو پیغمبروں کے پیغام کی

طرح انسانیت کے لیے کارآمد سمجھ رہے تھے مگر علامہ اقبال اس کی مادیت پرستی کی وجہ سے، اسے قبول کرنے سے انکار کر رہے تھے اور اسلام کو اس سے برتر سمجھ رہے تھے۔ ان کے خیال میں اشتراکیت بھی سرمایہ داری کی طرح باطل نظام ہے، جو وقتی ہیجان پیدا کر کے دل کش تو نظر آتا ہے مگر یہ بھی اپنی آمریت اور جابرانہ طرز عمل کے ہاتھوں دم توڑ دے گا۔

نذر الاسلام کی شاعری اتنی وسیع ہے کہ اس کا احاطہ کرنا ہمارے لیے بہت مشکل ہے، اس لیے کہ ہم بنگلہ زبان سے براہ راست واقف نہیں اور ترجمے پر انحصار کرتے ہیں۔ ترجمہ اصل کلام کا مکافقہ، مافی الضمیر ادا نہیں کر سکتا ہے، تاہم اس کے ذریعے ایک مجموعی تاثر قائم ہو سکتا ہے۔ میں کوشش کرتا ہوں کہ ان کی ترجمہ شدہ شاعری سے استفادہ کر کے قاضی نذر الاسلام کے پیغام کو پیش کر سکوں، جس نے خطہ بنگال کے عوام کے دلوں میں جذبہ حریت پیدا کیا۔ بنگال میں اکثریت مسلمانوں کی ہے، اس لیے بنگلہ زبان ہی کے ذریعے ان کو موثر پیغام دیا جاسکتا ہے، یہ کام قاضی نذر الاسلام نے کیا۔

قاضی نذر الاسلام بنگلہ زبان و ادب کے عظیم شاعر تھے۔ مغلیہ دور میں ان کا خاندان امر میں شامل تھا اور ان کے اجداد قاضی کے عہدے پر فائز تھے۔ ان کو جاگیریں بھی ملی ہوئی تھیں لیکن برطانوی عہد میں ان کی جاگیریں ضبط کر لی گئیں اور ان کا خاندان دیگر مسلم عمائدین کی طرح مفلوک الحال ہو گیا۔ یہ خاندان عظیم آباد (پٹنہ، بہار) میں آباد تھا، جب حالات خراب ہوئے تو یہ خاندان بہار سے متصل مغربی بنگال کے ضلع بردوان کے ایک گاؤں چرالیا میں آباد ہو گیا۔ قاضی نذر الاسلام کی پیدائش اسی بستی میں ہوئی۔ ان کی عمر ۸ سال کی تھی کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ یتیمی کی وجہ سے تعلیم جاری نہ رکھ سکے اور ایک مدرسہ سے پرائمری کرنے کے بعد، اس کی مسجد میں مؤذن لگ گئے لیکن نامساعد حالات کے سبب اسے بھی جاری نہ رکھ سکے اور اس کے بعد حصول معاش اور تعلیم کے لیے مختلف مقامات پر تگ و دو کرتے رہے۔

قاضی نذر الاسلام کی شاعری کوئی پچیس برسوں پر محیط ہے، ان کے مقابلے میں علامہ اقبال کی شاعری کوئی چالیس برسوں کی ہے۔ علامہ اقبال اور قاضی نذر الاسلام ہم عصر تو تھے مگر جب علامہ نے شاعری شروع کی تو اس وقت نذر الاسلام کی پیدائش ہوئی اور جب علامہ کی شاعری عروج پر تھی تو نذر الاسلام نے اپنی شاعری کی ابتدا

کی اور علامہ کے انتقال کے چار سال کے بعد نذر الاسلام تخلیقی ادب سے معذور ہو گئے۔ اس کے بعد تینتیس سال تک زندہ رہے مگر ۱۹۴۲ء میں ان کی تخلیقی موت ہو چکی تھی۔

قاضی نذر الاسلام مسلمانوں میں جذبہ تحریت کے بیدار کرنے میں ایک موثر آواز ثابت ہوئے۔ انھوں نے جبر، ظلم اور نا انصافی کے خلاف اپنے قلم کو وقف کر رکھا تھا۔ قید و بند اور اپنے کلام کی ضبطی کے باوجود وہ ہمت نہیں ہارے بلکہ جبر و ظلم کے خلاف اپنی آواز بلند کرتے رہے۔ اپنی شاعری، افسانوں، مضامین اور صحافت کے ذریعے نوجوانوں کے جذبات برانگیخت کرتے رہے۔ ان کی نظم "بدروی" (باغی) بہت پر اثر ثابت ہوئی اور عوام میں بے حد مقبول ہوئی۔

محمد فخر الدین، مغربی بنگال اکادمی کے سیکریٹری تھے، ان کی زیر نگرانی نذر الاسلام کے بنگلہ کلام کا اردو ترجمہ "صدائے زنداں" کے عنوان سے ۱۹۸۸ء میں شائع کیا گیا تھا۔ اس کے ابتدائیہ میں انھوں نے نذر الاسلام کی زندگی اور نظریات زندگی پر سیر حاصل تبصرہ رقم کیا ہے<sup>(۹)</sup> ان کی ابتدائی زندگی، آخری زندگی کے احوال اور زندگی کے نشیب و فراز پر کافی روشنی ڈالی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ نذر الاسلام فطری طور پر خدا ترس اور نیک مسلمان تھے۔<sup>(۱۰)</sup> بچپن سے ان کی یہ خواہش تھی کہ وہ مجاہدین آزادی کا ساتھ دیں۔ وہ انقلابی جذبے سے سرشار تھے۔ ان کی فطرت میں جوش، ولولہ، امنگ اور حریت کا جذبہ بدرجہ اتم موجود تھا۔ انقلاب روس سے بہت متاثر تھے۔ وہ "دھوم کیتو" میں لکھتے ہیں:

”میں حق کی حفاظت نیز انصاف کی دوبارہ فتح یابی کے لیے روس کی طرف سے

بھیجے ہوئے عالمی انقلاب کا ایک سرخ سپاہی ہوں۔“ ان کا رجحان اشتراکیت کی

طرف تھا اور وہ کمیونسٹ شاعر کہلاتے تھے مگر وہ کمیونسٹ نہیں تھے۔<sup>(۱۱)</sup>

نذر الاسلام کے کلام اور ان کی زندگی کے آخری احوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اسلام کے شیدائی تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ مسلمان دوبارہ ابھریں اور دنیا میں غلبہ حاصل کریں۔ ان کے مندرجہ ذیل کلام سے اس خیال کی تائید ہوتی ہے۔

نعت (۱۲)

کو نلوں کے دل کے دل سب کہہ اٹھے اللہ رسول

ہر طرف بکھرے ہوئے مہکے ہوئے، جنت کے پھول

## دعا (۱۳)

پھر وہی طاقت وہ قوت ملے  
نعرہ پھر اللہ اکبر کا لگے

## مناجات (۱۴)

سر بلند اسلام کا ہو ہر طرف  
پھر اسے دُنیا میں حاصل ہو شرف

## عید الاضحیٰ کا چاند (۱۵)

ان کو توفیق اے خدا دے دے  
شان و شوکت انھیں دوبارہ ملے  
شاد و آباد پھر مسلمان ہوں  
قوم و ملت کے پھر نگہیاں ہوں

نذر الاسلام اسلام کے ساتھ ساتھ نئے انقلابات کے حامی تھے۔ وہ وقت کے بدلتے ہوئے انداز کے ہم

نوا بھی تھے۔ وہ اپنی نظم "نغمہ بیداری" (۱۶) میں کہتے ہیں:

خاموش کیوں ہے، کس لیے، آج کے شاعر  
اب ساز اٹھا بھی اور نئے نغمے چھیڑ دے (ص ۴۶)  
دھرتی کے ذروں کو ملے اکٹھا کریں اس قدر  
اتنا بلند ہو کہ پہنچ جائے عرش پر (ص ۴۷)

نذر الاسلام کی طرح علامہ اقبال بھی مغربی تہذیب کے سخت ناقد تھے۔ انھوں نے کھل کر مغربی

تہذیب و تمدن کی مخالفت کی اور اسلام کے نظریہ حیات کی اشاعت کی، وہ کہتے ہیں:

دیارِ مغرب کے رہنے والوں خدا کی بستی دکان نہیں ہے  
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو، وہ اب زرِ کم عیار ہوگا

تمھاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خود کشتی کرے گی

جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا، ناپائیدار ہو گا (۱۷)

علامہ اقبال اپنی ایک طویل نظم "شمع اور شاعر" (۱۸) میں اس امید کا اظہار کرتے ہیں کہ موجودہ تاریک رات ختم ہو جائے گی اور جلوہ خورشید سے روز روشن نمودار ہو گا، جو اسلام کے نغمہ توحید سے معمور ہو گا۔ وہ کہتے ہیں:

شبِ گریزاں ہوگی آخر جلوہ خورشید سے

یہ چمن معمور ہو گا، نغمہ توحید سے (۱۹)

مختصر یہ کہ علامہ اقبال اور نذر الاسلام دونوں نے مسلمانوں کو خوابِ غفلت سے بیدار کیا۔ نذر الاسلام نے بنگلہ زبان میں اپنی شاعری کے ذریعے بنگال کے مسلمانوں کے دلوں میں آزادی کی تڑپ پیدا کی اور علامہ اقبال نے اردو کے ذریعے برصغیر کے مسلمانوں میں آزادی کا ایک ولولہ پیدا کیا۔ علامہ اقبال نے برصغیر کے علاوہ پوری امتِ مسلمہ کو بھی بیداری کا پیغام دیا۔ فارسی زبان کے ذریعے ایران، افغانستان، وسطی ایشیا اور ترکی کے مسلمانوں کو براہ راست اور عالم اسلام کے دیگر ممالک کے لوگوں کو تراجم کے ذریعے اسلامی تحریک پیدا کی۔ وہ کہتے ہیں:

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے

نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کا شغری

موجودہ یعنی اکیسویں صدی اس بات کی گواہ ہے کہ تمام اسلامی ممالک آزاد ہو چکے ہیں۔ برطانوی حکومت اپنے جزائر تک محدود ہو گئی۔ واحد بین الاقوامی استعماری قوت اپنی برتری کھوتی جا رہی ہے۔ اس کے مد مقابل روس اور چین کی مشترکہ قوت نمودار ہو چکی اور مسلم ممالک بھی ایک متحدہ قوت بننے کی طرف پیش قدمی کر رہے ہیں۔ امید ہے کہ مستقبل قریب میں اسلام ایک مستحکم قوت بن کر سارے عالم کو اپنی روشنی سے منور کر دے گا۔

عظمتِ اسلام پھر جلوہ نما ہونے کو ہے

یہ جہاں توحید کا نغمہ سرا ہونے کو ہے (۲۰)

-----

## حوالہ جات:

- (۱) علامہ اقبال، ارمغانِ حجاز، نظم: ابلیس کی مجلسِ شوریٰ، کلیاتِ اقبال (اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۲۰۲۳) ص: ۹
- (۲) ایضاً، ص: ۱۳ (۳) ایضاً، ص: ۱۷
- (۴) قاضی نذر الاسلام، صورِ اسرافیل (ترجمہ ش-حقی)، (کراچی: ادارہ مطبوعات پاکستان، ۱۹۵۷ء) ص: ۵۳
- (۵) ایضاً، ص: ۵۳
- (۶) اختر حسین رائے پوری، ڈاکٹر: مترجم، پیامِ شباب، (مقدمہ، قاضی نذر الاسلام کی بنگالی نظموں کا اردو ترجمہ)، (دہلی: انجمن ترقی اردو (ہند)، ۱۹۳۹ء)
- (۷) عزیز احمد جلیلی: مترجم، قاضی نذر الاسلام کی نظموں کا اردو ترجمہ (مغل پورہ، انڈیا، ۱۹۹۱ء)، ص: ۱۹
- (۸) ایضاً نظم "اشتر کی"، ص: ۴۲ تا ۴۴
- (۹) محمد فخر الدین، صدائے زنداں ص: ۲۹ تا ۳۱
- (۱۰) ایضاً، ص: ۷ (۱۱) ایضاً، ص: ۲۹
- (۱۲) عزیز احمد جلیلی (مترجم)، قاضی نذر الاسلام کی شاعری کا اردو ترجمہ، ص: ۳
- (۱۳) ایضاً، ص: ۲ (۱۴) ایضاً، ص: ۴
- (۱۵) ایضاً، ص: ۱۸ (۱۶) ایضاً، "نغمہ بیداری"، ص: ۴۵
- (۱۷) علامہ اقبال "بانگِ درا"، ص: ۱۶۷ (۱۸) ایضاً، ص: ۲۱۰
- (۱۹) ایضاً، ص: ۲۲۲
- (۲۰) محمد عطا اللہ خان، ڈاکٹر، "عصری افکار نو"، مرتب: اکرام الحق، (راولپنڈی: املاک پبلی کیشنز پاکستان، ۲۰۲۵) ص: ۱۷۱